تحریک آزادی ہندو مسلم اتحاد کی روشن مثال

ڈاکٹر ریحان اختر قاسمی

ہندوستان اس چمن کے مانند ہے جہاں مختلف انواع واقسام کے پھول اپنی بھینی بھینی خوشبوؤں سے پوری فضا کو معطر کیے رہتے ہیں اور اپنے رنگ و بو کے ذریعہ اس چمن کی زینت و رونق بڑھاتے ہیں۔اس عظیم ملک ہندوستان میں مختلف نسل، زبان، مذہب اور مختلف علاقے کے لوگ ان تمام بندشوں سے بالاتر ہوکر محض ایک ہندوستانی ہونے کی حیثیت سے قدیم زمانے سے آپسی بھائی چارہ اور اتحاد و اتفاق سے پر ماحول میں ساتھ ساتھ رہتے چلے آئے ہیں۔ ایک دوسرے کے دُکھ، درد اور خوشی و مسرّت کے موقعہ پر اپنے تعاون سے اس بھائی چارگی کے رشتہ کو مہمیز فراہم کرتے رہے ہیں۔انگریزوں نے جب ہندوستان پر غاصبانہ قبضہ کیا اور یہاں کے باشندوں پر ظلم وستم کے پہاڑ توڑے تو تمام باشندگان ہند جملہ حدود و قیود سے آزاد ہوکر ہندوستان کی مشترکہ تہذیب اور قومیت کے تحفظ کے لیے میدان کارزار میں کود پڑے اور اپنی جان تک کی بازی لگادی۔اس جنگ آزادی کی کامیابی کو کسی ایک فرد، ایک جماعت ،ایک علاقہ، ایک زبان یا کسی ایک مذہب کی طرف منسوب نہیں کیا جاسکتا بلکہ یہ تمام مذاہب تمام زبانوں اور تمام علاقوں کی مشترکہ جدوجہد کا نتیجہ تھا کہ یہ ملک جنت نشاں ہندوستان انگریزوں کے غاصبانہ تسلط سے آزاد ہوسکا۔ہمیں تحریک آزادی کی کامیابی کی روح جو کہ باہمی اشتراک اور تعاون ہے اس کو ہر حال میں زندہ رکھنا ہوگا اور اپنے جملہ مقاصد کی کامیابی میں اسی جذبہ اور روح کو پیش نظر رکھنا ہوگا، جب ہی ہم خود اپنی اور اپنے ملک کی ترقی کی بات کرسکتے ہیں اور اس کے لیے منصوبہ سازی کرسکتے ہیں۔اس کے ساتھ نہ صرف ہماری اخلاقی بلکہ قومی ذمہ داری ہے کہ ہم ان عظیم مجاہدین کی عظمت کو باقی رکھیں جنہوں نے ایثار کا مظاہرہ کیا اور آنے والی نسلوں کے مستقبل کو تابناک بنانے کے لیے اپنے حال کی قربانی پیش کی، ان کی عظیم قربانی بلاشبہ بےلوث اور بے غرض تھی اس لیے ان کے خلوص کے چمن کی آبیاری کرنا، ان کی یادوں کو باقی رکھنا اور ہندوستان کی تعمیر و ترقی کے حوالے سے دیکھے گئے ان کے خوابوں کو شرمندۂ تعبیر کرنا ہماری بنیادی ذمہ داریوں میں شامل ہے۔ جتنا ضروری انسانی زندگی کی بقاو سالمیت کے لیے اس کی سانس کا آنا اور جانا ہے اسی طرح اس بات کو بھی یاد رکھنا ضروری ہے کہ ان مجاہدوں نے کس طرح سے ملک کو انگریز سامراج سے آزاد کرایا تھا۔کس طرح سے انہوں نے ملک کی آزادی کے لیے اپنی سب سے قیمتی چیز جان تک کی بازی لگانا گوارا کرلیا تھا۔کس طرح ان اکابرین نے ہندو مسلم اتحاد کا ثبوت پیش کیا تھا۔کس طرح سے ذات برادری کی کھائی کو پاٹ کر آپسی بھائی چارہ کے ساتھ ملک کو آزادی دلائی تھی کیا اسباب و وجوہات تھیں جس کے پیش نظر باشندگان ہند نے ملک کی آزادی کو زندگی کا نصب العین بنالیا تھا۔تو اگر ہم کو احسان فراموش کے زمرے میں داخل ہونا ہے تو ان کی قربانیوں کو پس پشت ڈال دیا جائے۔لیکن ہمیں یہ یاد رکھنا ہوگا جو قومیں اپنے اکابرین کی قربانیوں کو بھول جاتی ہیں تاریخ گواہ ہے کہ تاریخ کے صفحات سے ان کے کارنامے تو درکنار ان کے نام تک مِٹ جاتے ہیں۔افسوس ہم مغربیت سے متاثر ماحول اور مادہ پرستی کے دور میں عظیم سپوتوں کے کارناموں کو بھولنے لگے ہیں یہ ہمارے لیے نیک شگون نہیں ہے۔ ہونا تو یہ چاہیے کہ ہم اپنی آنے والی نسلوں کو بزرگوں کے کارناموں اور قربانیوں سے واقف کراسکیں تاکہ قوم کے زندہ ہونے کا ثبوت مل سکے۔جنگ آزادی میں لاکھوں ہندوستانیوں کا خون بہا لیکن ان میں سب سے زیادہ علماء و مشائخ کا نمایاں کردار رہا ہے جنہوں نے ہندوستان کی آزادی کا خواب دیکھنے والوں کے خواب کو شرمندہ تعبیر کردیا۔ یہ وہ مقدس جماعت تھی جو ملک کی حفاظت اور انگریزی سامراجی سے ملک کو آزاد کرانا اپنا جزو ایمان سمجھتی تھی۔انگریزوں کی نظر میں ان کے سب سے بڑے دُشمن علماء کرام کی جماعت تھی۔دلی پر فتح پانے کے بعد انگریزوں نے ان تمام لوگوں کو اپنی گولیوں کا نشانہ بنایا جو مولویانہ وضع وقطع کے حامل تھے اور ان کو وہ پھانسی پر لٹکا دیتے تھے۔پورے ملک میں صرف پندرہ دنوں میں دو لاکھ مسلمان شہید ہوئے جن میں (۵۱) اکیاون ہزار علماء کرام تھے۔انگریزوں کے خلاف وہ تصور جہاد جو اسلامی تعلیمات کی رو سے حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کے افکار میں ظاہر ہوا تھا، وہ انقلابی منشور اور وہ انتظام و انصرام کا ضابطۂ آزادی ہند جو شاہ عبدالعزیز نے مرتب کیا تھا اور وہ مشعل آزادی جو شاہ اسماعیل شہید اور سید احمد شہید اور حافظ ضامن شہید نے اپنے لہو سے روشن کیا تھا اسی مشعل کی روشنی دارالعلوم دیوبند کے بانیان کے ذریعہ پورے ہندوستان میں پھیلی۔اگر ایک طرف دارالعلوم دیوبند کے بانیان و ذمہ داران و علماء کرام کی وہ مقدس جماعت جن میں مولانا قاسم نانوتوی، مولانا رشید احمد گنگوہی، حاجی امداداللہ مہاجر مکی، حاجب عابد علی، شیخ الہند مولانا محمود حسن دیوبندی، مولانا عبیداللہ سندھی، شیخ الاسلام مولانا حسین احمد مدنی، مفتی کفایت اللہ، مولانا ابوالکلام آزاد، مولانا حفظ الرحمٰن سیوہاروی، مولانا شاہ عطاء اللہ بخاری، مولانا فرنگی محلی مولانا مملوک علی، مولانا یعقوب نانوتوی، وغیرہ اور بہت سارے علماء کرام نے وطن عزیز کی تقدیر کو اپنے خون جگر سے سینچا تھا تو دوسری طرف سرسید علیہ الرحمہ کے ہاتھوں بنایا ہوا مسلمانوں کا علمی و ادبی اور تہذیبی و ثقافتی قلعہ، ہندوستانی مسلمانوں کا دھڑکتا دل اور ان کے بے تاب آرزوؤں وتمناؤں کا مرکز و محور علی گڑھ مسلم یونیورسٹی نے بھی وطن عزیز کی آزادی کے لیے اپنے کوکھ میں پلنے والے قوم کے سپوتوں کو ملک کی آزادی کے لیے تیار کیا اور ملک کی آزادی میں حصہ داری کو اپنے لیے قابل فخر سمجھا اور اپنے طالب علموں کی غیرت کو اور ان کے ضمیر کو للکارا کہ قوم کے درخشاں ستاروں آج ملک و قوم کو تمہاری ضرورت ہے۔اور ہندوستان کی بنجر زمین تمہارے پاک خون سے لالہ زار ہونے کی متمنی ہے لہٰذا اپنی جان کا نذرانہ پیش کردو۔تو مادر درس گاہ کے طالب علموں اور قوم کے نونہالوں نے ملک کی آزادی کے لیے اپنا چین وسکون سب کچھ قربان کردیا اور اپنی جان نچھاور کرنے سے بھی دریغ نہ کیا۔ ان میں مولانا محمد علی جوہر ،مولانا شوکت علی، مولانا حسرت موہانی، خان عبدالغفار خان، ڈاکٹر یوسف کچلو، راجہ مہندر پرتاپ سنگھ، حافظ محمد ابراہیم، شیخ محمد عبدالقدیر اور ٹھاکر ملکھان سنگھ وغیرہ مادر علمی کے یہ وہ زندہ و تابندہ ستارے ہیں جو مطلع ہند پر ہمیشہ ضیاپاشی کرتے رہیں گے۔ملک کی آزادی میں ایک اور طبقہ بہت سی سرگرم وفعال تھا اور وہ نوجوانوں کا گروہ تھا جن کے اندر غیرت وحمیت پیوست تھی اور جو جذبہ آزادی سے سرشار تھے۔ان کے ضمیر نے ان کو آوازدی کہ آج ملک کو تمہارے خون کی ضرورت ہے تو بلاشک و تردد خرمن باطن کو شعلۂ آزادی سے جلا کر خاکستر کردینے کے لیے بیتاب ہوگئے، اس آگ میں جلنے کے لیے تیار ہوگئے جس آگ کو ان کے بزرگوں نے اور وطن کے جانباز سپاہیوں نے اپنے جسم کا ایندھن بنا کر شعلہ زار بنادیا تھا ان نوجوانوں میں بھگت سنگھ، چندر شیکھر آزاد، رام پرساد بسمل، اشفاق اللہ خان، رام کرشن کھتری، راج کمار سنہا، کرشن کھنہ، رام دلارے ترویدی، بھیندرناتھ سانیال، پرن ویش کمال چڑجی، رام ناتھ پانڈے وغیرہ۔ ان نوجوانوں نے انگریزوں کے خلاف علم بغاوت بلند کیا اور جابرانہ و آمرانہ نظام حکومت کو جڑ سے اکھاڑ پھینکنے کا عزم کرلیا، اس کے لیے ان میں سے بہت سے نوجوانوں نے اپنی جان تک کی بازی لگادی، گورکھپور جیل میں رام پرساد بسمل، نے پھانسی کے پھندے کی طرف چلتے ہوئے کہا کہ مادر وطن زندہ باد، پھانسی کے پھندے پر کھڑے ہوکر انہوں نے اپنی آخری خواہش کا اظہار کیا کہ میں برطانوی سامراج کا خاتمہ چاہتا ہوں، اشفاق اللہ خان نے فیض آباد میں پھانسی کے دن صبح غسل کر کے نماز پڑھی اور کچھ دیر قرآن کی تلاوت کی اور بند کر کے قرآن کو اپنی آنکھوں سے لگایا حاجیوں کی طرح لبیک کہتے ہوئے تختۂ دار پر کھڑے ہوگئے اور کہا کہ '' میرے ہاتھ کبھی انسانی خون سے نہیں رنگے خدا کے یہاں میرا انصاف ہو۔ انہوں نے اپنی خواہش کا کچھ اس انداز میں اظہار کیا۔

کچھ آرزو نہیں ہے تو یہ ہے
رکھ دے کوئی ذراسی خاک وطن کفن میں

جنگ آزادی تو ہندو مسلم ایکتا، اتحاد و یکجہتی کی ایک زندہ مثال تھی، ہمیشہ ہمارے اکابرین نے خلوص نیت کے ساتھ ملک کی سالمیت و بقا کے لیے مجاہدانہ و سرفروشانہ کردار ادا کیا، حضرت شیخ الہند کا یہ تاریخی جملہ یقیناً قابل تحسین ہے، آپ نے فرمایا'' کچھ شک و شبہ نہیں کہ حق تعالیٰ شانہ نے آپ کے ہم وطن اور ہندوستان کی سب سے زیادہ کثیر التعداد قوم (ہندو قوم) کو کسی نہ کسی طریق سے آپ کے ایسے پاک مقصد کے حصول میں مؤید بنادیا ہے اور میں ان دونوں قوموں کے اتحاد و اتفاق کو بہت ہی مفید اور منتج سمجھتا ہوں اور حالات کی نزاکتوں کو محسوس کر کے جو کوشش اس کے لیے فریقین کے عمائد نے کی ہے اور کر رہے ہیں اس کے لیے میرے دل میں بہت قدر ہے۔'

hamsraihan@gmail.com

برطانیہ کے عام انتخابات میں ہندنژاد شہریوں کا کردار

پروفیسر عتیق احمد فاروقی

اگلے ماہ کی چار تاریخ کو برطانیہ میں عام انتخابات ہونے جارہے ہیں۔اگر یہ اپنے طے شدہ پروگرام کے مطابق ہوتے تو سال کے آخری مہینوں میں ووٹ ڈالے جاتے مگر ہند نژاد وزیر اعظم رشی سنک نے وقت سے پہلے چناؤ میں اترنے کا فیصلہ کیا ہے۔ دراصل برسراقتدار کنزرویٹیو پارٹی کی مقبولیت کا گراف تیزی سے گر رہا تھا۔پارٹی کے اندر بھی نااتفاقیاں تھیں۔ بھلے ہی 14 سال سے یہ برسراقتدار ہے لیکن قیادت کے محاذ پر گزشتہ کچھ برسوں میں پارٹی میں کافی اتھل پتھل دیکھی گئی۔لہٰذا وزیر اعظم سنک کا ماننا تھا کہ پارٹی کی داخلی نااتفاقیوں کو ختم کرنے اور عوام کا اعتماد بحال کرنے کیلئے چناؤ میں اترنا مناسب ہوگا۔اقتصادی محاذ پر ملک کو ملے فائدے سے انہیں اپنے اس منصوبے کو پائے تکمیل تک پہنچانے میں مدد ملی۔ بہرحال رشی سنک بھلے ہی اقتدار میں واپسی کا خواب دیکھ رہے ہیں، پر چناؤ رجحان اس کے برعکس ہے۔ یہ بتا رہے ہیں کہ یہ چناؤ نہ صرف برطانی سیاست میں دور رس اثر ڈال سکتے ہیں بلکہ اسے بنیادی طور پر بدل بھی سکتے ہیں۔کئی میں تو مخالف لیبر پارٹی کی بڑی فتح کے امکان دکھائے جارہے ہیں۔حامیوں کی نظر میں یہ دوسری عالمی جنگ کے بعد پارٹی کی سب سے بڑی جیت ہوسکتی ہے۔ دراصل سال 1997 میں ٹونی بلیر نے لبر پارٹی کو میانہ روی کی راہ پر چلا کر اور 'نیو لبر' کی وکالت کر کے کنزرویٹیو پارٹی سے اقتدار چھیننا تھا مگر 2010 میں ڈیوڈ کیمرن کی قیادت میں کنزرویٹیو ایم پی دوبارہ حکومت بنانے میں کامیاب رہے۔ یہاں تک کہ برگزٹ کے بعد بھی انہیں کامیابی حاصل ہوئی اور کنزرویٹیو پارٹی کو پارٹی آف 'گورننس' کہا جانے لگا۔اب لبر پارٹی بھی میانہ روی راہ پر چل رہی ہے۔ ویسے ان انتخابات میں چند چھوٹی پارٹیوں کا بھی اہم کردار ہوسکتا ہے مثلاً برگزٹ کے ایک اہم کردار نائزلے فراز کی 'ریفارم یو کے پارٹی' کنزرویٹیو کے ووٹ کاٹ سکتی ہے۔ بیشک یہ بہت زیادہ نشستیں نہ جیت سکے، لیکن نئی پارٹی کے طور پر اپنی دھمک کا ضرور مظاہرہ کررہی ہے۔ یہ اس بات کی نشاندہی کرتا ہے کہ کنزرویٹیو پارٹی کے تئیں بے رخی کے سبب لوگوں کا اعتماد دوسری پارٹیوں میں بڑھا ہے۔ برسراقتدار پارٹی کے تئیں یہ ناراضگی یوں ہی نہیں پنپی ہے، خصوصاً کووڈ وبا کے بعد سے لوگوں کی معیشت بہت نہیں سنبھل سکی ہے۔ یہاں رہائش کا خرچ بڑھ گیا ہے اور مہنگائی بھی کم نہیں ہے۔لہٰذا یہ نظریہ زور پکڑ رہا ہے کہ حکمرانی کیلئے بنی پارٹی اب ملک سنبھالنے کے اہل نہیں رہی۔اسی طرح مہاجرین کا مسئلہ بھی ایک بڑا انتخابی ایشو ہے۔کہا گیا تھا کہ برگزٹ کے بعد برطانیہ کو اس معاملے میں خودمختاری مل جائے گی لیکن اب تک ایسا نہیں ہوسکا ہے۔نیشنل ہیلتھ سروس جیسے سماجی کاموں میں فنڈ کی کمی، ٹیکس کا بڑھنا وغیرہ مدعے بھی کنزرویٹیو کی سیاسی زمین کمزور کررہے ہیں۔ یہ چناؤ برطانیہ میں رہنے والے قریب بیس لاکھ ہندنژاد شہریوں کیلئے بھی اہمیت رکھتے ہیں۔ ان کا کردار انتخابات میں مسلسل بڑھ رہا ہے۔ وہاں ہندو-مسلم-سکھ سے متعلق مدعے بھی اٹھ رہے ہیں۔ 'ہندو فار ڈیموکریسی' نامی گروپ نے ہندو منشور تک جاری کردیا ہے۔ پہلے ہندنژاد شہریوں کا ووٹ لبر پارٹی کو جاتا تھا لیکن جیسے جیسے یہ آبادی خوشحال ہوتی گئی اس کا رجحان کنزرویٹیو کی جانب بڑھتا گیا۔ 2019 کے انتخابات میں دس سے زیادہ ہندوستانیوں کا چنا جانا اسی کی تصدیق کررہا تھا، جن میں رشی سنک ایک بڑا نام تھا۔ یہاں ہندوستانیوں کی شناخت بدل رہی ہے اور وہ قیادت کے کردار میں آنے لگے ہیں۔نتیجتاً ہندوستان سے جڑے مدعے انتخابات میں مؤثر دکھنے لگے ہیں۔ اس کی جھلک گزشتہ انتخابات میں بھی دکھی تھی، جب ہندوستانی ہائی کمیشن کے سامنے خالصتانیوں کے تشدد آمیز مظاہرہ کی حمایت لبر پارٹی کے چند لیڈران نے کی تھی جس کی مخالفت میں ہندوستانیوں نے کنزرویٹیو کا ساتھ دے کر ان کو اقتدار دلا دیا۔ ہندوستانیوں پر کنزرویٹیو کی گرفت اب بھی مضبوط ہے کیونکہ ان کی پالیسی ہندوستان کے مفاد میں رہی ہے۔ اتنا ہی نہیں یہاں ہندوستانیوں کی ایک بڑی آبادی کاروبار میں ملوث ہے اور کنزرویٹیو کو کاروباریوں کی حامی پارٹی مانا جاتا ہے۔ ہندوستان سے جڑے مدعے یہاں کے انتخابات میں کس قدر حاوی رہتے ہیں۔مثلاً ، کنزرویٹیو پارٹی کے امیدوار کے ذریعے کشمیر کے مدعہ کو اٹھانا۔ کیونکہ برطانیہ کے چند حلقہ رائے دہندگان میں پاکستان سے آئے مہاجرین کا غلبہ ہے اس لئے یہاں ہند مخالف بیانیہ بھی خوب چلائے جاتے ہیں۔اس بار بھی کنزرویٹیو کے امیدوار مارکولونگی نے ایک خط لکھ کر رائے دہندگان سے اپیل کی کہ کشمیر کے مدعے کو اگر پارلیمان میں اٹھانا ہے تو لبر پارٹی کے بجائے ان کو ووٹ دیا جائے۔ حالانکہ اس کا زبردست ردعمل سامنے آیا ہے۔خود کنزرویٹیو پارٹی کے اندر اس خط کو لیکر سخت مخالفت دیکھی گئی ہے دراصل یہاں ہند نژاد شہریوں کا کردار جس تیزی سے بدلا ہے، دونوں پارٹیاں خود کو ہند حامی بتانے کی کوشش میں ہیں۔اسی سبب گزشتہ چند برسوں میں برطانیہ نے ہندوستان کے تئیں اپنی سفارتی پالیسی بھی بدلی ہے۔ بہت پہلے کی بات نہیں ہے جب برطانیہ ہندوستان کے مقابلے پاکستان اور چین کے ساتھ کھڑا دکھتا تھا کیونکہ داخلی سیاست اسے اسلام آباد کے خلاف جانے نہیں دیتی اور بیجنگ کے ساتھ اس کے اہم اقتصادی رشتے تھے۔مگر ڈیوڈ کیمرن کی مدتِ کار میں یہ حالات بدلے اور دوطرفہ رشتے میں لگاتار اصلاح کی گئی۔ برطانیہ کے حکمرانوں نے ہند بحرالکاہل پر زور دینا شروع کیا۔ یہاں انہوں نے نئے معاونین تلاش کئے اور اقتدار میں توازن پیدا کرنے کی کوشش کی۔ چونکہ ہند بحرالکاہل کا ایک بڑا کھلاڑی ہندوستان ہے اس لئے نئی دہلی کے ساتھ لندن نے اپنے اسٹیٹیجک اور اقتصادی دونوں تعلقات میں سدھار کئے۔توقع کی جانی چاہیے کہ یہ رشتہ برطانیہ میں ممکنہ اقتدار کی تبدیلی کے بعد بھی قائم رہے گا کیونکہ ہندوستان ایک تیز ترقی پذیر معیشت ہے۔اس بات کا بھی بھروسہ ہے کہ اس آزاد تجارتی قرار پر بھی اب حتمی رضامندی ہوجائے گی یا قبل از وقت چناؤ کے سبب اسے ٹال دیا گیا ہے۔اگر یہ قرار نافذ ہوا تو دونوں ممالک کے رشتہ ایک نئی بلندی پر پہنچ جائیں گے۔

atiqfaruqui001@gmail.com

موہن بھاگوت نے بی جے پی کو آئینہ دکھایا

پروفیسر نیلم مہاجن سنگھ

آر ایس ایس کے سرسنگھ چالک (سربراہ) ڈاکٹر موہن بھاگوت ایک بلند اور وسیع نقطۂ نظر رکھنے والی شخصیت ہیں۔حال ہی میں موہن بھاگوت کی مودی سرکار پر نکتہ چینی پر خود بحث ہورہی ہے۔سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ آر ایس ایس اور بی جے پی کا رشتہ کیا ہے۔آر ایس ایس کو ایک ثقافتی تنظیم سمجھا جاتا تھا۔مگر اس میں کوئی دو رائے نہیں آر ایس ایس کی سیاسی سرگرمیاں بھی ہیں۔جن سنگھ کے بانی ڈاکٹر شیاما پرساد مکھرجی، اے بی واجپائی، لال کرشن اڈوانی اور خود وزیر اعظم نریندر مودی آر ایس ایس کے سرگرم رکن تھے۔ 2024 کے عام انتخابات میں بی جے پی کو مکمل اکثریت نہیں ملی اس وجہ سے مرکز میں این ڈی اے کی حکومت ہی قائم ہوئی ہے۔ اس حکومت کو خاص طور ٹی ڈی پی اور جے ڈی (یو) کی حمایت حاصل ہے۔بی جے پی کا چارسو پار کا نعرہ اس طرح ناکام ہوگیا جس طرح سابق وزیر اعظم اٹل بہاری باجپئی کے وزیر پرمود مہاجن کے ذریعہ دیا گیا نعرہ 'انڈیا شائننگ' منھ کے بل گرا تھا۔یہ دور وہ تھا جب ملک میں کافی مسائل تھے۔ ڈاکٹر موہن مدھوکر بھاگوت ایک محبت الوطن لیڈر ہیں۔ وہ مارچ 2019 سے آر ایس ایس کے چھٹے سرسنگھ چالک کے طور پر خدمات انجام دے رہے ہیں۔ انہوں نے کے ایس درشن کے بعد سنگھ ذمہ داریاں سنبھالی تھیں۔ڈاکٹر موہن بھاگوت کو یہ اعزاز بھی حاصل ہے کہ وہ گرو گوالکر اور ڈاکٹر کے بی ہیڈگیوار کے بعد آر ایس ایس کے سب سے کم عمر سربراہ بنے۔موہن بھاگوت کے ذمہ داریاں سنبھالنے کے بعد بی جے پی کو کئی انتخابات میں زبردست کامیابی ملی ہے۔ان کا نام 2019 میں سب سے زیادہ طاقتور لوگوں کی فہرست میں آیا ہے۔ انہوں نے لوک مانیہ تلک ودیالیہ سے اسکول کی تعلیم مکمل کی اور جنتا کالج ناگپور سے سائنس میں گریجویشن کیا۔ڈاکٹر موہن بھاگوت کو ترقی دے کر ہندوستان کے لیے کل وقتی کام کرنے والے آر ایس ایس کے رضا کاروں کا انچارج بنایا گیا۔ بھاگوت کو 2015 میں اس وقت وی وی آئی پی زیڈ پلس سیکورٹی ملی تھی۔ جب حکومت ہند نے سینٹرل انڈسٹریل سیکورٹی فورس (سی آئی ایس ایف) کو انہیں سیکورٹی فراہم کرنے کا حکم دیا تھا۔ 2017 میں وہ آر ایس ایس کے پہلے سربراہ بن گئے جنہیں اس وقت کے صدر ہند پرنب مکھرجی نے سرکاری طور پر راشٹرپتی بھون میں مدعو کیا تھا۔بی جے پی کے صدر جے پرکاش نڈا نے انتخابات کے دوران کہا تھا کہ نریندر مودی کی مقبولیت اتنی زیادہ ہے کہ بی جے پی کو چار سو سے زیادہ سیٹیں ملیں گی۔نڈا نے یہ بھی کہا کہ اگر بی جے پی کو نریندر مودی کے چہرے سے ووٹ نہ ملتے تو آر ایس ایس کے سویم سیوکوں کی ضرورت پیش آتی۔ نڈا نے جو کہا؟ اس سے رضا کاروں کے جذبات کو ٹھیس پہنچی۔ جے۔پی۔ نڈا نے بہت زیادہ گستاخی کی! ایک طرف موہن بھاگوت نے کہا تھا کہ 'ہندوستان 20-30 سال میں عالمی لیڈر بن جائے گا'۔ یہ ڈاکٹر موہن بھاگوت کا بڑا بیان تھا۔ 'مسلمانوں پر حملے نہیں رک رہے ہیں، آپ آواز اٹھائیں'، ملک کے روشن خیال مسلمانوں نے آر ایس ایس کے سرسنگھ چالک کو خط بھیجا تھا، آر ایس ایس کی میٹنگ میں سنگھ کے سربراہوں موہن بھاگوت اور دتاتریہ ہوسابلے نے سنگھ میں خواتین اور سنگھ میں مسلمانوں کی شمولیت وغیرہ چھ نکات سامنے رکھے گئے۔ 2024 کے انتخابات سے پہلے یہ ایک بڑا داؤر رہا۔آر ایس ایس میڈیا کے ڈاکٹر منموہن ویدیا نے صحافیوں سے بات کرتے ہوئے یہ جانکاری دی۔'' آر ایس ایس ایک سال میں ایک لاکھ جگہوں تک پہنچ جائے گی''۔ کیا سنگھ کے سربراہ موہن بھاگوت کا بیان حکومت پر تبصرہ نہیں تھا؟ ڈاکٹر موہن بھاگوت نے لوک سبھا انتخابات میں مہم چلانے کے طریقوں کا بھی ذکر کیا۔ انہوں نے کہا کہ ''انتخابات میں ایک دوسرے کو گالی دینا، ٹیکنالوجی کا غلط استعمال کرنا اور جھوٹ پھیلانا درست چیزیں نہیں ہیں۔ یہ نامناسب طرز عمل ہے۔ کیونکہ انتخابات اتفاق رائے بنانے کا عمل ہیں''۔ ڈاکٹر بھاگوت نے حال ہی میں ختم ہونے والے لوک سبھا انتخابات، سیاست اور سیاسی جماعتوں کے طور طریقوں پر اپنی رائے ظاہر کی تھی۔ اپوزیشن کی طرف سے بھاگوت کے بیان سے مختلف معنی نکالے جارہے ہیں۔ ناگپور میں سنگھ کے ورکروں کے پروگرام سے خطاب کرتے ہوئے انہوں نے خدمت خلق، انسانیت اور دیگر مسائل پر اپنے خیالات کا اظہار کیا۔ بھاگوت نے کہا کہ جو لوگ خادم ہیں ان میں تکبر نہیں ہونا چاہیے۔ ناقدین نے 'تکبر' کو مودی حکومت سے جوڑا۔ سنگھ کے کاریہ کارتا وکاس ورگ کے اختتامی پروگرام میں آر ایس ایس کے سربراہ موہن بھاگوت نے کہا تھا، ''ہر کوئی کام کر رہا ہے، لیکن کام کرتے وقت وقار کا خیال رکھنا اور یہ نہیں کہنا چاہیے کہ میں نے یہ کارنامہ انجام دے دیا۔ایسے لوگ ہی خدمت گزار کہلانے کے حق دار ہیں۔ ہمارا مذہب اور ثقافت ہے۔'' خلاصہ یہ کہ وہ جو حدود کی پابندی کرتا ہے اور پھر اعمال کرتا ہے، تب ہی 'صرف وہ خادم کہلانے کا مستحق ہے'۔ الیکشن میں جھوٹ پھیلانا درست نہیں۔ موہن بھاگوت نے لوک سبھا انتخابات میں انتخابی مہم میں اختیار کیے گئے طریقوں کا بھی ذکر کیا۔موہن بھاگوت نے کہا تھا کہ'' اس ملک کے لوگ بھائی بھائی ہیں، ہمیں اس حقیقت کو اپنی فکر اور عمل میں لانا ہوگا''۔ پارلیمنٹ میں حکومت مخالف مخالفین کو بولنے کی اجازت دینے کی اپیل کی گئی۔موہن بھاگوت نے 'ریزرویشن کی حمایت' کی ہے۔موہن بھاگوت نے کہا، 'سماج میں اتحاد کی ضرورت ہے، لیکن ناانصافی پھر بھی ہوتی ہے، اسی وجہ سے آپس میں دوری ہے، ذہنوں میں بداعتمادی ہے۔ ہزاروں سالوں سے کیے گئے کام کی وجہ سے چڑچڑاپن ہے۔ دوسروں کی رائے کو بھی عزت ملنی چاہیے۔ حصولیابیوں پر فخر کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔آج کل جب 'ہندو راشٹر' کا چرچا ہو رہا ہے تو بہت سے لوگ نہیں جانتے کہ یہ اصطلاح کس نے بنائی تھی۔ راشٹریہ سویم سیوک سنگھ خاص طور پر ملک کے سیاسی نظام میں رہنمائی کرتی ہے۔ ڈاکٹر کیشو بلرام ہیڈگیوار (یکم اپریل 1889- 21 جون 1940)، جن کو 'ڈاکٹر جی' سے بھی جانا جاتا ہے۔ ہیڈگیوار ایک ڈاکٹر اور آر ایس ایس کے سربراہ تھے۔ کی یاد میں منایا جارہا ہے۔ ہیڈگیوار نے ہندو راشٹر بنانے کے ارادے سے ہندوتوں کا تصور پیش کیا تھا۔

(مضمون نگار سینئر صحافی، تجزیہ کار اور سالیڈیٹری فار ہیومن رائٹس سے وابستہ ہیں)

singhnofficial@gmail.com

ہندی سنیما محبت اور بھائی چارہ سے مذہبی منافرت تک

ڈاکٹر ریحان اختر

ہندی سنیما، جسے بالی ووڈ کے نام سے جانا جاتا ہے، طویل عرصے سے ہندوستان کے تہذیبی وثقافتی منظرنامے کا سنگ بنیاد رہا ہے جو اپنی بےمثال اور شاندار کہانیوں کے ذریعے سماجی اقدار کی تشکیل اور عکاسی کرتا ہے۔اپنے قیام کے بعد سے ہندی سینما نے پیار، محبت، بھائی چارے اور امن کے موضوعات کو فروغ دیا ہے جو دنیا بھر کے ناظرین وسامعین کے ساتھ گہرا تعلق رکھتے ہیں۔ ہندوستان کے بھرپور تنوع اور اتحاد کو فروغ دینے والی کہانیاں بنا کر بالی ووڈ نے نہ صرف تفریح کی حوصلہ افزائی کی بلکہ ہم آہنگی اور باہمی احترام کے پیغامات کو بھی فروغ دیا۔جیسے جیسے صنعت ترقی کرتی ہے یہ فنکارانہ اظہار اور سماجی ذمہ داری کے درمیان ایک نازک توازن برقرار رکھتی ہے۔فلمیں اکثر سماجی اقدار کی عکاس ہوتی ہیں، مختلف کمیونٹیز کے درمیان اتحاد اور ہم آہنگی کے احساس کو فروغ دیتی ہیں۔ تاہم، حالیہ برسوں میں مذہبی نفرت ، پولرائزیشن اور سماجی تقسیم کو چھونے والے موضوعات کو تلاش کرنے والی کچھ فلموں کے ساتھ ایک قابل ذکر تبدیلی آئی ہے۔تاریخی پس منظر: اپنے آغاز سے ہی ہندی سنیما نے سماجی ہم آہنگی اور اتحاد کو فروغ دینے میں ایک طاقتور ہتھیار کا کام کرتا چلا آرہا ہے۔ 1940 اور 1950 کی دہائیوں کے ابتدائی سالوں اور سنہری دور کے دوران، ''شری 420''(1955) اور'' مدر انڈیا''(1957) جیسی فلموں نے قومی اتحاد، فرقہ وارانہ ہم آہنگی اور عوامی جدوجہد کے موضوعات پر زور دیا۔اور ایسے کرداروں کی تصویر کشی کرتے ہیں جو اجتماعی کوششوں اور اخلاقی قوت کے ذریعے مشکلات پر قابو پاتے ہیں۔ 1960 اور 1970 کی دہائیوں میں '' دھول کا پھول''(1959) اور'' امر اکبر انتھونی''(1977) جیسی فلموں کے ساتھ ان موضوعات کو یکجا کیا گیا، جس میں مختلف مذہبی پس منظر سے تعلق رکھنے والے مختلف کرداروں کے اکٹھے ہونے کے ذریعے فرقہ وارانہ ہم آہنگی کو اجاگر کیا گیا تھا۔ان فلموں نے اس خیال کو پیش کیا کہ انسانیت مذہبی حدود سے تجاوز کرتی ہے۔ 1980 اور 1990 کی دہائیوں میں، محبت، احترام اور یکجہتی کو اجاگر کیا گیا۔ یہ فلمیں ثقافتی مظاہر بن گئیں جو ہندوستانی سماج کے اخلاق میں مرکزی حیثیت رکھتی ہیں۔حالیہ برسوں میں ہندی سنیما کے منظرنامے میں واضح تبدیلی آئی ہے۔ ''ہم 2ہمارے 12'' دی کیرالہ اسٹوری'' اور'' دی کشمیر فائلز''، جیسی متنازع فلموں نے ہندوستان میں بدلتے ہوئے سماجی و سیاسی ماحول کی عکاسی کرتے ہوئے زیادہ متنازع اور تفرقہ انگیز مسائل کو جنم دیا ہے۔ پچھلے کئی سالوں سے اسلام اور مسلم مخالف ذہنیت رکھنے والے فلم اداکاروں اور ڈائریکٹرز نے کئی ساری فلمیں مسلمانوں کے خلاف بنائی ہیں اور ایک خاص مذہب کو بدنام کرنے کی مسلسل کوشش کی جارہی ہے ساتھ ہی حقائق کو توڑ مروڑ کر پیش کرنے اور دیگر مذاہب کے شائقین میں اسلام و مسلمانوں کیخلاف نفرت پیدا کرنے کی ناپاک حرکت کی گئی ہے۔اب ''ہم دو ہمارے بارہ'' نامی فلم تیار کی گئی ہے جس میں قرآن کریم کی آیتوں کا غلط مطلب بیان کیا جارہا ہے، ساتھ ہی حقائق کو توڑ مروڑ کر پیش کرنے اور دیگر مذاہب کے ماننے والوں میں اسلام و مسلمانوں کیخلاف نفرت پیدا کرنے کی ناپاک حرکت کی گئی ہے۔اس فلم میں قرآن واحادیث اور اسلامی عقائد ونظریات کا غلط معنی و مفہوم بیان کیا گیا ہے۔اس فلم میں سورہ بقرہ کی آیت 223 کی غلط تشریح کی گئی ہے، جس میں مسلمان مردوں کو عورتوں کے ساتھ ظالم کے طور پر پیش کیا گیا ہے۔ اس میں پردہ، گھر سے نکلنے پر پابندی، ازدواجی تعلقات اور بچے پیدا کرنے جیسے مختلف مسائل کو غلط طریقے سے پیش کیا گیا۔آیت ''نساءکم حرث لکم'' کو عورتوں کو اکسانے اور کنفیوژن کے بیج بونے کے لیے اس کی غلط تشریح کی گئی ہے، جس کے تحت انہیں مردوں کی خواہشات کے لیے محض اشیاء کے طور پر پیش کیا گیا تھا۔یہ مسخ شدہ نظریہ اسلام میں خواتین کی قدر و اہمیت کو مجروح کرتا ہے اور مسلمانوں میں پریشانی کا باعث بنتا ہے۔اس طرح کی غلط بیانی اسلام اور اس کے پیروکاروں پر حملہ کے مترادف ہے جس سے ان کے دل زخمی اور روحیں متزلزل ہوجاتی ہیں۔اس فلم سے ملک کے مسلمان تشویش میں مبتلا ہیں اور اپنے اپنے طور سے اس بیہودہ اور دوکوڑی کے ڈائریکٹر کے خلاف احتجاج درج کرا رہے ہیں۔ اسی طرح گزشتہ سال ریلیز ہوئی ایک متنازع فلم '' دی کیرالہ اسٹوری'' ہے جس میں نصف سچائی دکھائی گئی ہے اور اہم ایشوز کو کنارے رکھ کر نفرت پھیلانے اور تخریب کاری سیاست کو فروغ دینے کی کوشش کی گئی فلم کو دیکھ کر یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ فلم میں آدھی سچائی دکھائی گئی ہے اور بغیر ضروری تحقیق کے مذہب تبدیلی، اسلامک اسٹیٹ میں جنگجوؤں کی بھرتی، عراق پر امریکہ کے حملے کے بعد ابھری دہشت گردانہ تنظیموں اور مغربی ایشیا کے تیل پروڈیوسر علاقوں میں روس کو پیر نہ جمانے دینے کے لیے امریکہ کے ذریعہ کٹر پسند اسلامک گروپوں کو فروغ دیے جانے وغیرہ ایشوز کو اٹھایا گیا ہے۔اس متنازع فلم کے ذریعے دعویٰ کیا گیا ہے کہ اسلامک اسٹیٹ کے ذریعہ 32 ہزار ہندو لڑکیوں کا مذہب تبدیل کروایا گیا ہے۔

ZANJEER
Amar Akbar Anthony
DHOOL KA PHOOL
72 HOORAIN
TAKHT

اسی کڑی کی ایک فلم گزشتہ برس ریلیز ہوئی '' دی کشمیر فائلز'' ہے فلم کی کہانی 1990 میں مقبوضہ کشمیر میں کی گئی نسل کشی پر مبنی ہے لیکن حیران کن طور پر فلم میں مسلمانوں کے بجائے پنڈتوں کی نسل کشی کو دکھایا گیا ہے اور مسلمانوں کو دہشت گرد کے طور پر پیش کیا گیا ہے۔ اس میں دکھانے کی کوشش کی گئی ہے کہ کشمیر ہندوؤں کی سرزمین تھی، جہاں مسلمانوں نے دہشت گردی کر کے پنڈتوں کی نسل کشی کر کے انہیں ملک چھوڑنے پر مجبور کیا۔فلم کی سینما میں نمائش کے وقت انتہاپسندوں کی جانب سے مسلمان مخالف نعرے بھی لگائے تھے، جن میں مسلمانوں کو غدار قرار دے کر انہیں ملک چھوڑنے کا بھی کہا گیا تھا۔ جب سے اس فلم کو دکھایا گیا ہے اکثریت عوام ایسی ہے جو اس جھوٹ پر مبنی کہانی کو سچ مان کر مسلمانوں کے خلاف نفرت آمیز بیان بازی کرتے رہے ہیں۔تاہم بعض لوگ ایسے بھی ہیں جو 'دی کشمیر فائلز' کو تاریخی جھوٹ اور پروپیگنڈا قرار دیتے ہوئے لوگوں اور حکومت سے سوال کررہے ہیں کہ اب تو کشمیر کی خصوصی حیثیت کو ختم کر کے اسے بھارتی حکومت کے ماتحت کیا جا چکا ہے اور وہاں پر لاکھوں بھارتی فوجی موجود ہیں تو پھر ابھی تک بیرون ملک فرار ہوجانے والے کشمیری پنڈت واپس کیوں نہیں آرہے ہے؟ **تبدیلی کے مضمرات**: ہندی سینما میں محبت اور بھائی چارے کے موضوعات سے مذہبی نفرت و پولرائزیشن کی طرف منتقلی وسیع تر سماجی تبدیلیوں کی عکاسی کرتی ہے۔اس کی پیچھے کئی عوامل کارفرما ہیں۔ **سماجی و سیاسی ماحول**: شناخت کی سیاست کے عروج اور بڑھتے ہوئے فرقہ وارانہ کشیدگی نے فلم سازوں کو مزید متنازعہ موضوعات پر فلمیں بنانے کی ترغیب دی ہے۔اسکرین پر ان مسائل کی تصویر کشی اکثر لوگوں کے موجودہ احساسات اور خدشات کی عکاسی کرتی ہے۔ **سامعین کی مانگ**: سامعین میں ایسی فلموں میں دلچسپی بڑھ رہی ہے جو حقیقی دنیا کے مسائل کو حل کرنے کے بجائے ایک خاص مذہب کے پیروکار کے خلاف بنائی گئی ہو۔اور ان کی سوچ کو متاثر کرتی ہو۔

میڈیا اور ٹیکنالوجی: ڈیجیٹل میڈیا اور سوشل پلیٹ فارمز کے پھیلاؤ نے فلموں کے اثرات کو بڑھایا ہے، جس سے انہیں وسیع تر ناظرین تک پہنچنے اور زیادہ اہم بات چیت کو فروغ دینے میں مدد ملی ہے۔

سماج پر برے اثرات : متنازعہ فلمیں جو مذہبی اختلافات اور تاریخی تنازعات جیسے حساس موضوعات سے بحث کرتی ہیں معاشرے پر بڑے اثرات مرتب کرسکتی ہیں جو اکثر موجودہ تناؤ کو مزید خراب کردیتی ہیں۔ یہ فلمیں، اہم بات چیت شروع کرنے کی کوشش کرتے ہوئے بعض اوقات ایک پیچیدہ مسئلے کا صرف ایک رخ دکھا کر تقسیم کو گہرا کرسکتی ہیں۔ یہ قدم مختلف گروہوں کے درمیان اور بھی زیادہ عدم اعتماد اور دشمنی کا باعث بن سکتا ہے، کیونکہ لوگ ان کرداروں اور کہانیوں جو دکھایا گیا ہے دل میں پیوست کرسکتے ہیں اور یقین کرسکتے ہیں کہ وہ حقیقت کی عکاسی کرتے ہیں۔ایسی فلموں کا ڈرامائی اور اکثر مبالغہ آمیز مواد دقیانوسی تصورات اور تعصّبات کو تقویت دے سکتا ہے اور معاشرے کو مزید پولرائز اور تقسیم کرسکتا ہے۔ ڈیجیٹل پلیٹ فارمز اور سوشل میڈیا پر ان فلموں کی وسیع پیمانے پر دستیابی ان کے اثرات کو مزید مضبوط کرسکتی ہے جس سے متنازعہ پیغامات تیزی سے اور وسیع پیمانے پر پھیل سکتے ہیں۔آج کے تیز رفتار معلوماتی ماحول میں حقیقت اور افسانے کے درمیان کی لکیر دھندلی ہوسکتی ہے جس سے کمیونٹیز کے درمیان غلط فہمی اور حساسیت پیدا ہوسکتی ہے۔ان فلموں کو سیاسی مقاصد کے لیے بھی استعمال کیا جاسکتا ہے رائے عامہ کو متاثر کرنے اور سماجی اختلاف پیدا کرنے کے لیے۔ لہٰذا متنازعہ فلمیں جہاں اہم مسائل کی طرف توجہ مبذول کرسکتی ہیں، وہیں وہ سماجی ہم آہنگی اور اتحاد کو نقصان پہنچانے کا خطرہ بھی رکھتی ہیں۔

بہرحال، آج کا سینیما اپنی قدیم روایات سے ہٹ چکا ہے سماجی مسائل و معاشی مسائل، خاندان اور گھروں کے مسائل کو نہ دکھا کر آج ہندی سینما نے مذہبی نفرت کا راستہ اختیار کرلیا ہے جس سے سماج میں محبت، بھائی چارہ اور امن کے فروغ کے بجائے دشمنی اور نفرت وعداوت اور ایک خاص مذہب کے پیروکار کے خلاف سماجی نفرت کا ماحول تیار ہو رہا ہے جو بظاہر کچھ نام نہاد اداکاروں اور فلم میکرز کو وقتی فائدے تو حاصل کرنا سکتے ہیں لیکن اس سے سماج کی آب و ہوا زہریلی اور جان لیوا ہونے سے کوئی نہیں روک سکتا ہے۔

raihanhams6@gmail.com